Lesson 3: Yusuf (Ayaat 36- 57): Day 10

سُوۡرَةُ یُوسُف کی تفسیر

سبق کا خلاصہ:-

حضرت یوسفؑ کی زندگی کا تیسرا دَور شروع ہو رہا ہے۔ آج کے سبق میں اس بات کی دلیل بھی ہے کہ زندگی عروج وزوال کا نام ہے۔ پہلے باپ کی محبت سے دُور ہوئے، پھر عزیزِ مصر کے گھر میں اُس کی بیوی کی محبت کا شکار ہوئے۔ وہاں سے بات اِدھر اُدھر ہوئی تو وہاں کی مشہور و معروف عورتوں کے مکر کا شکار ہوئے اور بلآخر جیل کی تنہائیوں میں قید کر دیئے گئے۔ یوسفؑ کی زندگی کے مختلف روپ اللہ تعالیٰ لوگوں کو دکھانا چاہتا تھا کہ اصل میں "محسن" وہ ہے کہ جس کی زندگی میں حالات جیسے بھی ہوں، خوشی ہو کہ غم، بیمار ہو کہ صحت مند ہو، اُس کے رویئے ایک جیسے رہتے ہیں۔

کیفیت بدل سکتی ہے۔ ہم انسان ہیں، ہم پہ خوشی یا غم کا اثر ہوتا ہے۔ لیکن رویہ نہیں بدلتا۔ ان کا رویہ ہمیشہ "للٰہئیت" کا رہتا ہے۔ اور اسی طرح مومن بدلتے حالات میں اپنا اخلاق اور اپنے تیور نہیں بدلتا۔ مومن کا اخلاق اور اُسکے تیور لوگوں کے ساتھ "محسن" ہونے کے ہوتے ہیں۔

آج کے سبق میں ہم حضرت یوسفؑ کے محسن ہونے کے ناطے سے بھی بات کریں گے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اُنہیں جس حال میں بھی رکھا لیکن اُنہوں نے اللہ سے اور بندوں سے محسن ہونا نہیں چھوڑا۔ عام زندگی میں یہ ہوتا ہے کہ جب بچے شروع کی زندگی میں کسی حادثے کا شکار ہوتے ہیں تو بعد میں وہ مجرم بن جاتے ہیں اور اپنے جُرم اس چیز میں چھپاتے ہیں کہ چونکہ ہمیں محبت نہیں ملی تو ہم بھی نہیں دیں گے۔ اور اس طرح وہ ایک ناسور بن کر سوسائٹی میں کسی نہ کسی طرح کا انتشار پیدا کرتے ہیں۔

اگر ہم حضرت یوسفؑ کے ساتھ ساتھ حضرت محمد ﷺ کو بھی دیکھ لیں تو پیدائش کے ساتھ ہی آزمائشوں کا سفر شروع ہو گیا۔ موسیٰؑ کے بارے میں بھی ہم آگے جا کے دیکھیں گے۔ اس سورۃ میں ان تین نبیوں کے درمیان بہت مماثلت ہے کہ نبیؐ پیدائش کے کچھ عرصہ بعد ہی آپؐ اپنے باپ سے محروم ہو گئے اور ماں کو دیکھا بھی نہیں۔ شفقت بھرا دادا کچھ سال کے بعد داغِ مفارقت دیتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ چند دن کے بچے، ماں کی گود سے نکال کر دریا کی گود میں ڈال دیئے جاتے ہیں۔ ایک خوبصورت مسلمان گھرانے سے نکال کے، آج کی زبان میں ڈے کیئر میں ڈال دیئے جاتے ہیں۔ بچپن میں ہی غالباً تین دن تک بھوکے پیاسے رکھے جاتے ہیں۔

اسی طرح ہم یوسفؑ کو دیکھ رہے ہیں۔ بچپن میں ماں کا انتقال ہو گیا۔ کتنا بڑا غم تھا۔ اللہ تعالیٰ غموں سے محفوظ رکھے لیکن ہر غم کے پیچھے خیر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بندے کو مضبوط کرنا چاہتا ہے۔ پھر باپ کی محبت سے نکلے اور انسان شاید ماں باپ کے دنیا سے چلے جانے کے غم پہ صبر کر لیتا ہے لیکن جوان کے بھائیوں نے ان کے ساتھ کیا اُس پہ صبر نہیں آ سکتا۔ جب تک کہ وہ محسن نہ بنے۔

آج کے پورے سبق کا تھیم "محسن" ہے۔ اللہ کے ساتھ اور بندوں کے ساتھ احسان کیا ہے۔ آج کے سبق میں یہ بھی دیکھیں گے کہ لوگوں سے کچھ لیے دیئے بغیر Kill with kindness کے ثبوت دیتے ہوئے کس طرح لوگوں کے ساتھ معاملہ کیا جاتا ہے۔ پچھلے سبق میں ہم نے دیکھا کہ حضرت یوسفؑ عورتوں کی سازشوں کی شکار ہوئے۔ اُن کو لگا کہ یہ چمکتا دمکتا ماحول میرے ارد گرد رکھا گیا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں۔ تو اُنہوں نے اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ مجھے قید میں ڈال دے۔ وَاِلَّا تَصۡرِفۡ عَنِّیۡ كَيۡدَهُنَّ اَصۡبُ اِلَيۡهِنَّ۔ اَصۡبُ کا لفظ: صبی عربی میں بچے کو کہتے ہیں۔

اگر اس لفظ کی خوبصورتی دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ کہیں میرے اندر بھی بچپنا نہ آ جائے۔ یعنی میں اپنی میچورٹی کو چھوڑ کر بے مقصد بچوں والے کام نہ شروع کر دوں۔

اب اسکے بعد یوسفؑ قید میں ڈال دیئے گئے۔ آج کے سبق میں ہم دیکھیں گے کہ ایک بچہ جو باپ کے گھر میں تھا۔ باپ کی بھی آنکھوں کا تارا تھا۔ بھائیوں کو بھی اچھا لگتا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ بھائی ایک وقتی جذبے سے مغلوب ہو کے اس طرح کی حرکت پہ آ گئے۔ بھائیوں کی گفتگو میں آپ نوٹ کریں کہ وہ یوسفؑ کے خلاف کوئی بات نہیں کر سکے۔ یہ کہا کہ باپ کا زیادہ پیارا ہے لیکن یہ نہیں کہا کہ دیکھو یوسفؑ کتنے بد تمیز ہیں، یہ ہماری شکائتیں لگاتے ہیں۔ یہ محسن ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو لوگ بُرا کہہ نہیں کہتے لیکن ابس اُنہیں برداشت نہیں کر پاتے۔

پھر یوسفؑ کنوئیں میں گئے۔ ایک شخص نے نکالا اور اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بِک گئے۔ یہ محسن کا دوسرا روپ تھا۔ پھر "اَشُدّ" کو پہنچ گئے۔ شدت، جوانی، جوش، جس میں انسان کے سارے جذبے غالب ہوتے ہیں، کو پہنچ گئے۔ عزیزِ مصر اور اُسکی بیوی کو یوسفؑ کے اندر کوئی داغ دھبہ نہیں دِکھا۔ عزیزِ مصر کی بیوی نے یوسفؑ کا ظاہری اور باطنی حُسن دیکھ لیا تھا۔ اتنے سال اُس کے گھر میں رہ کے وہ جان چکی تھی کہ یہ ظاہری اور باطنی لحاظ سے خوبصورت مرد ہے اور مجھے اس سے اپنی خواہش پوری کرنی ہے۔ ہم ظاہری حُسن ہونے سے سمجھتے ہیں کہ کسی کے دل میں جگہ بنا لیں گے تو ایسا کبھی نہیں ہوتا۔ جب تک آپ کے اندر باطنی حُسن نہیں آئے گا آپ کسی کا دل نہیں جیت سکتے۔ اچھے کام اور اچھا کردار بولتا ہے۔

اب وہاں سے عورتوں کے سامنے آ گئے۔ زندگی کا چوتھا روپ۔ حضرت یوسف ؑ کو بار بار ایک ٹائٹل دیا جا رہا ہے کہ ہم آپ کو محسن دیکھتے ہیں۔ تو محسن کون ہوتا ہے۔ ح، س، ن، اسکا روٹ ہے۔ "حسن" کسی بھی کام کا اعلیٰ ترین درجہ۔ کسی بھی حالات میں بہترین کارکردگی دکھانا، بہترین رویہ دکھانے والا۔

مثلاً کوئی اُسکی تعریف کرے وہ تب بھی اچھا ہو، کوئی تنقید کرے تو اس پہ جُھنجلانہ جائے۔

اللہ تعالیٰ کے معاملے میں جب محسن کا لفظ آتا ہے تو اس کی تعریف حضرت جبرائیلؑ نے نبی ؐ کو سکھائی۔ حدیثِ جبرائیل میں ہے کہ عبادت ایسے کرو کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم سے یہ نہ ہو پھر یہ یقین رکھو کہ وہ تم کو دیکھتا ہے۔ اس احساس کے ساتھ نمازیں بھی خوبصورت ہو جاتی ہیں۔ اللہ کے کام بھی آسان ہو جاتے ہیں۔ دن رات، تنہائی میں مجمع میں وہ ایک جیسا رہتا ہے۔

محسن کی تعریف میں مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ وہ شخص کہ اوپر سے پہاڑ گزر جائے لیکن وہ اپنی جگہ پہ جمارہے۔ وہ نہیں ہلتے۔ اسکی مثال ایک پھول سے سمجھیں۔ آپ پھول کو کچن میں رکھ دیں، کمرے میں رکھ دیں، باتھ روم میں رکھ دیں، اُسکا رنگ اور خوشبو ایک ہی رہے گی۔ یہ محسن ہے۔ اب انسانوں کے معاملے میں محسن کون ہے؟ "جو دینے والا ہے"۔ جیسے پھول، پہاڑ دریا، سورج، چاند، ی ستارے۔ یہ سب کچھ نہ کچھ دے رہے ہیں تو یہ سب محسن ہیں۔ پوری کائنات محسن ہے اور ہر چیز اپنی کوالٹی کا اعلیٰ درجہ دے رہی ہے۔ آپ نے کبھی دیکھا کہ بادل برسیں تو ساتھ مٹی ہو، چاند کی روشنی ملگجی ہو، سورج کی روشنی پتلی سی ہو؟ نہیں!۔ پوری کائنات محسن ہے۔ اور اگر ہم اس کائنات کو اپنا اُستاد بنا لیتے تو اس قرآن سے پہلے ہی ہم محسن بن چکے ہوتے۔

کائنات کی ہر چیز مخلوق کی خدمت کر رہی ہے۔ ایک درخت کتنے سالوں میں بڑا ہوتا ہے لیکن درخت اپنے پھل کا ایک دانہ نہیں چکھتا۔ سارا پھل دوسرے کھاتے ہیں۔ شہد کی مکھی کتنی محنت کر کے، کتنے پھلوں کا رس چوس کے شہد بناتی ہے لیکن اُس شہد کا ایک قطرہ خود نہیں چکھتی۔ محسن کھلانے والا ہوتا ہے کھانے والا نہیں۔

ایک واقعہ یاد آ گیا کہ ایک آدمی کا پھلوں کا باغ تھا تو ایک دن وہ اپنے باغ میں گیا اور مالی سے کہا کہ لاؤ پھل چکھاؤ۔ مالی نے پھل لا کے مالک کے سامنے رکھ دیئے۔ جب اُس نے پھل منہ میں ڈالا تو کہنے لگا اتنا کھٹا، تُرش۔ مالی نے کہا مجھے پھل کے ذائقے کا نہیں پتہ کیوں کہ میں نے تو آج تک پھل چکھا ہی نہیں۔ تو یہ محسن ہے۔

اللہ ہمیں بھی محسن بنا دے۔ اگر ہم کائنات اور یوسفؑ کی طرح محسن بن جائیں۔ دینے والے بن جائیں تو ہم اپنی راتوں کی نیند کم کر لیں اور لوگوں کو دنیا کی سب سے خوبصورت چیز دینے والے بن جائیں۔ ہم اپنی ذات سے اوپر اُٹھ کے جینے والے بن جائیں۔ ہم غصہ اُس وقت کرتے ہیں جب ہم اپنی ذات کو بڑا سمجھنے لگتے ہیں۔ محسن بننا انسانیت کی معراج ہے۔ اور یہ انسان کو دوسروں کا پسندیدہ بنا دیتا ہے۔ محسنوں کے ساتھ کوئی نہیں چلتا لیکن اُنکو پسند بہت کیا جاتا ہے۔ محسن اپنے کاموں کا احسان نہیں جتاتے نہ اللہ پہ نہ بندوں پہ۔

اب ہم دیکھیں گے کہ حضرت یوسفؑ کا جیل کی دیواروں میں محسن ہونا کیسے ثابت ہوتا ہے۔ ہم تو سُسرال کے شکوے ہی نہیں بھولتے کہ سسرال نے مجھے چڑچڑا بنا دیا، لیکن سسرال جیل سے تو بُرا نہیں۔ تو دیکھتے ہیں کہ حضرت یوسفؑ جیل میں کیسے محسن دکھتے ہیں۔

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ۭ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّىْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّىْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ۭ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٣٦﴾

قید خانہ میں دو غلام اور بھی اس کے ساتھ داخل ہوئے ایک روز اُن میں سے ایک نے اُس سے کہا "میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں شراب کشید کر رہا ہوں" دوسرے نے کہا "میں نے دیکھا کہ میرے سر پر روٹیاں رکھی ہیں اور پرندے ان کو کھا رہے ہیں" دونوں نے کہا "ہمیں اس کی تعبیر بتائیے، ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ایک نیک آدمی ہیں"۔

جب یوسفؑ کو جیل میں ڈالا گیا تو کچھ عرصہ بعد دو نوجوان بھی جیل میں لائے گئے۔ ان میں سے ایک بادشاہ کو روٹی کھلانے والا تھا۔ یعنی بادشاہ کا باورچی۔ بادشاہ کو کسی نے زہر دینے کی کوشش کی اور چونکہ یہ کھانا پکاتا تھا تو الزام اس پر لگا۔ اور دوسرا شخص بادشاہ کا ساقی تھا۔ شراب پلاتا تھا۔ اب ان دونوں کو اللہ تعالیٰ نے جیل میں حضرت یوسفؑ کے ساتھ رہنے کا موقع دیا۔ حضرت یوسفؑ اُن پر اپنا محسن ہونا ثابت کر چکے تھے۔ ابھی اسلام نہیں پیش کیا تھا لیکن اپنا اخلاق پیش کر چکے تھے۔

ایک دِن کیا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو خواب دکھایا۔ ایک نے دیکھا کہ میں شراب کشید کرتا ہوں۔ اَعْصِرُ ، ع، ص، ر اس کا روٹ ہے۔ اَعصَر اینچے اُڑنے کو کہتے ہیں۔ عصر کا وقت بھی اسی سے ہے۔ عصر کا وقت پورے دن کا نچوڑ ہوتا ہے۔ ایسے لگتا ہے کہ دن نیچے جا رہا ہے اور رات جلدی آنے والی ہے۔ عصیر جوس کو بھی کہتے ہیں۔۔ تو اس نے کہا کہ میں نے دیکھا ہے کہ میں شراب نچوڑ رہا ہوں۔ خَمْر کا لفظ خاص طور پر انگوری شراب کے لیے آتا ہے۔ فارسی میں اسکو مے کہتے ہیں۔ بعد میں ہر قسم کی شراب کو خَمْر کہا جانے لگا۔ انگوری شراب کو سب سے پہلے ایران کے بادشاہ جمشید نے بنایا۔ اسی

لیئے اسے "جامِ جم" کہتے ہیں۔یعنی اسے جمشید کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے۔ خَمْر کا لفظ حدیث سے ملتا ہے؛ ہر نشہ لانے والی چیز خَمْر ہے اور ہر خَمْر حرام ہے۔

تو پہلے شخص نے اپنے پیشے کے حساب سے خواب دیکھا۔ اور دوسرے سے کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ میں نے اپنے سر پہ روٹیاں اُٹھائی ہوئی ہیں اور اُن روٹیوں کو پرندے کھا رہے ہیں۔ اب دیکھیں کہ جیل میں قتل میں ملوث دو لوگ یوسفؑ کے ساتھ آئے ہیں۔ یوسفؑ کا رویہ اُنکے ساتھ اتنا اچھا ہے کہ وہ یوسفؑ کو محسن کہنے پہ مجبور ہو جاتے ہیں۔ یہ ایک انسان کی سب سے بڑی دولت ہے۔ حالات اللہ کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ زندگی میں اونچ نیچ ہوتی ہے لیکن اگر آپ کسی لڑکی کو کوئی تحفہ دینا چاہتی ہیں تو اُسکو محسنہ بنا دیں۔

یوسفؑ قید میں ہیں تو اُنھوں نے یہ نہیں کہا کہ اے قیدی، بلکہ محسن کہا۔ تو پتہ کیا چلا کہ جس میں کوئی خوبی ہوتی ہے اُسے اگر کوئی قید میں بھی ڈال دے تو وہ نظر آ جاتی ہے۔ آپ اپنے بارے میں لوگوں کی رائے معلوم کریں پھر سوچیں کہ لوگ مجھے کیوں باتیں کرتے رہتے ہیں۔ آپ ہمیشہ لوگوں کو ہی سوچتے رہتے ہیں۔ لوگ ایسے، لوگ ویسے، میں ایسی، میں ویسی۔ ہمارے جُملوں میں سب سے زیادہ استعمال ہونے والا لفظ "میں" ہے۔ لیکن اگر ہم اس "میں" میں یہ سوچیں کہ آخر مجھ میں اسی کیا کمی ہے کہ کوئی مجھ سے خوش نہیں، کوئی مجھ سے بنا کے نہیں رکھتا۔ یقیناً میرے اندر کوئی بُرائی ہو گی۔

آپ دیکھیں گے کہ جب آپ اپنے اندر جھانکیں گے تو کہنے پہ مجبور ہو جائیں گے کہ خرابی صرف لوگوں میں نہیں مجھ میں بھی ہے۔ اپنی کوتاہیوں کو نوٹ کریں اور انکو ٹھیک کرنے کہ کوشش کریں تو لوگوں کی رائے آپکے بارے میں بدل جائے گی۔ سسرال، شوہر بچے آپ سے محبت کرنے پہ مجبور کر

دیئے جائیں گے۔ جب انسان اپنی کمیوں کو دور کر لیتا ہے تو صحت آتی ہے۔ ہمارے اندر کچھ اخلاقی روگ ہوتے ہیں، ہماری شخصیت میں کمیاں ہوتی ہیں۔ تو جس طرح اللہ نے ایک آنکھ باہر دی ہے اسی طرح ایک آنکھ اندر بھی دی ہے۔ دل کی صورت میں۔ جو انسان احسان کے درجے پہ جینا چاہتا ہے وہ ہمیشہ ہر ایک سے اچھا سلوک کرنا چاہتا ہے، سب کا خیر خواہ ہوتا ہے۔ کسی کی غلط چیز نہیں مانتا کیوں کہ حدیث میں آتا ہے دین خیر خواہی کا نام ہے۔ پھر لوگ پوچھتے گئے اور اللہ کے نبیؐ بتاتے گئے کہ کس کس کی خیر خواہی ہو گی۔ انسان سب سے بہترین محسن کب بنتا ہے؟ جب وہ اپنے ارد گرد والوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ترغیب دیتا ہے۔ تو برائی سے منع کرنے والا سب سے زیادہ خیر خواہ ہوتا ہے لیکن وہ لوگوں کو خیر خواہ کیوں نہیں لگتا کیوں کہ وہ لوگوں کے اندر سے غلط باتوں کو چھڑانا چاہتا ہے۔ ایسے میں اگر انداز سخت ہو تو لوگ چڑنے لگ جاتے ہیں تو اگر میں اور آپ لوگوں کی اصلاح چاہتے ہیں تو محسن بن جائیں۔

اچھے اخلاق سے اسلام کی طرف دعوت دیں۔ آگے جا کے ہم تبلیغ کے نقطے بھی سمجھیں گے۔ تبلیغ کا سب سے پہلا نقطہ محسن بنیں۔ جس کو بات سمجھانی ہے پہلے اُسکو سمجھیں، جس سے بات منوانی ہے پہلے اُسکی مانیں۔ غلط بات نہیں ماننی۔ اس سبق میں ہمیں تبلیغ کا صحیح طریقہ سمجھ آئے گا۔ سب سے پہلے محسن بننا ہے۔ اپنی بچیوں کو سکھائیں کہ سسرال میں جا کے سب سے پہلے اچھے اخلاق سے سب کا دل جیتنا ہے۔ مزے دار چائینز کھانے وہ کام نہیں کرتے جو آپ کا اچھا اخلاق کرتا ہے۔ ہر انسان محبت کا بھوکا ہوتا ہے۔ آپ اپنے ساس سسر کو بغیر کہے اچھے سے کپ میں چائے پیش کریں۔ کچھ دنوں میں وہ آپ سے محبت کرنے لگیں گے۔ احسان کر کے پھر اُس کا بدلہ پائیں۔

آج آپ کسی کے ساتھ احسان کا معاملہ کریں وہ خود آپ کی عزت کرنے لگے گا۔ ایک دفعہ آپ اپنے اچھے کردار سے لوگوں کو ثابت کریں پھر دکھیں وہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہیں۔ اس میں آپ کو نیند کی، وقت کی قربانی دینی پڑے گی۔ پہل جوائن فیملی سسٹم اس لیے کامیاب تھا کہ بچیاں محسنہ کے درجے پہ رہتی تھیں۔ سارے گھر کی خدمت کرتی تھیں۔ آج کے دور میں کہتے ہیں، اتنی بڑی فیملی، ہماری بچی تو پس جائے گی۔ کسی بڑے کی بات یاد آ گئی کہ وہ کہتے تھے اپنی بیٹی بڑے گھر میں دو، سارے ایک ایک ٹکڑا بھی بچائیں گے تو تمہاری بیٹی بھوکی نہیں رہے گی۔ آج کی بچیاں تو بچے ٹکڑے شاید بن میں پھینک دیں۔ ہم نے انسانوں میں رہنا سیکھا ہی نہیں۔ ہمیں مشینیں اچھی لگتی ہیں۔

یوسفؑ کہاں بیٹھے ہوئے ہیں اور لوگ اُنکو کہہ رہے ہیں کہ ہم آپکو محسن سمجھتے ہیں، ہمارا یہ کام کر دو۔ اُنکو پتہ چل گیا تھا کہ یہ مخلص ہیں، غلط مشورہ نہیں دیں گے اور دوسری بات یہ کہ یوسفؑ کو خوابوں کی تعبیر کا علم مل چکا تھا۔ تو قیدیوں نے کہا کہ ہمیں ان خوابوں کی تعبیر بتادیں۔

محسن وہ ہے جن سے لوگوں کو اچھی اُمید ہوتی ہے۔ یہ وہ خوبصورت اشتہار ہے جس سے دین پھلتا ہے۔ یہاں یاد رکھیں کہ یوسفؑ نبی بن چکے ہیں۔ نبوت کا سارا learning process جیل کی تنہائیوں میں سکھایا۔ ہم ہوتے تو کہتے اللہ پہلے جیل سے تو نکال پھر نبوت دینا۔ وہاں اُن کے پاس فرشتے آتے تھے اور اللہ کا پیغام سناتے تھے۔ دین کا کام سُنا دینے سے یا لفظوں سے نہیں پھیلتا۔

آپ اپنے رویوں سے لوگوں کو بتاتے ہیں۔ محسن کی نیکیاں چھلکتی ہیں۔ جب بہت زیادہ نیکیاں کریں گے تو وہ تو چھلکیں گی۔ اسی طرح لوگوں کو خود بخود پتہ چلنے لگتا ہے کہ یہ بندہ کیسا ہے۔

اب حضرت یوسفؑ کا عملی روپ دیکھئے۔

قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ؕ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

یوسفؑ نے کہا: "یہاں جو کھانا تمہیں ملا کرتا ہے اس کے آنے سے پہلے میں تمہیں اِن خوابوں کی تعبیر بتادوں گا یہ علم اُن علوم میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے عطا کیے ہیں واقعہ یہ ہے کہ میں نے اُن لوگوں کا طریقہ چھوڑ کر جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور آخرت کا انکار کرتے ہیں ۔

جیل میں کھانا وقت پہ دیا جاتا ہے اور ویسے بھی مہذب قومیں وقت پہ کھانا کھاتی ہیں۔ ہماری طرح نہیں جب، جو دل چاہا کھالیا۔ دوسری یہاں یہ بات پتہ چلتی ہے کہ جب قیدیوں نے کہا کہ ہمیں خواب کی تعبیر بتائیں تو حضرت یوسفؑ نے وقت مقرر کر لیا۔ یہاں یہ بات بھی پتہ چلتی ہے کہ ایک دعوت دینے والے کو تبلیغ کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہیئے۔ یوسفؑ نے شکر کیا کہ انہوں نے خواب دیکھا اور اِن کو مجھ سے اس کی تعبیر پوچھنے کا کام پڑا۔ یعنی محسن خوش ہوتا ہے جب لوگوں کو اُس سے کام پڑتا ہے۔

اس میں ہمارے لیے عمل کی بات یہ ہے کہ جب لوگوں کو ہم سے کام پڑے تو خوش ہوں۔

دوسرا نقطہ عاجزی ہے۔ محسن اللہ کی دی ہوئی نعمتوں اور صلاحیتوں کو اپنی طرف منصوب کرنے کی بجائے اللہ کی عطا سمجھتا ہے۔ ہم دن میں کتنی دفعہ یہ جملہ بول سکتے ہیں کہ میرا کوئی کمال نہیں ہے، پتہ نہیں یہ کام کیسے ہو جاتا ہے۔ یہ تبلیغ کا ایک بہت خوبصورت انداز ہے کہ پہلے ذہن سازی کی۔ پہلے

کھانے کی بات کی کہ لمبادَرس نہیں دوں گا، کھانے کے آنے سے پہلے بتادوں گا۔ پھر اپنی طرف مائل نہیں کیا بلکہ مِمَّا عَلَّمَنِىۡ رَبِّىۡ، اپنے رب کی طرف بات کی۔

اب توحید کی بات ہو گی۔ یہ بہت ضروری نقطہ ہے۔ حضرت یوسفؑ بتاتے ہیں کہ یہ سب فہم، فراست اور اچھی باتیں مجھے کب ملیں، جب میں نے اپنی قوم اور اپنی برادری کے غلط طور طریقے چھوڑ دیئے۔ اُن کے رسم ورواج، ہر غلط چیز چھوڑی تو مجھے اللہ نے نعمت دی۔

یہ بہت اہم نقطہ ہے لیکن ہم نہیں سمجھتے۔ جب تک پچھلی چیزیں نہیں چھوڑیں گے، نعمت نہیں ملے گی۔ مثلاً کوئی یہ کہے کہ اگر مجھے قرآن سُننا اچھا لگا تو میں میوزک سُننا چھوڑ دوں گی۔ نہیں۔ جب غلط کام چھوڑیں گی تو پھر آپ کو قرآن اچھا لگے گا۔ یہ فطرت کا اصول ہے۔ سیڑھی پہ چڑھنے کے لیے پہلے نیچے والا پاوں اُٹھاتے ہیں تو پھر اوپر چڑھتے ہیں۔ کبھی یہ تو نہیں ہوا کہ پیچھے والا پاؤں بھی رہے اور آپ اوپر چڑھ جائیں۔ یہ فطرت کا اصول ہے کہ جب انسان اپنی من پسند چیزیں چھوڑتا جاتا ہے اُس کا دل کُھلتا جاتا ہے۔ جو جتنی دُور سے آیا ہے اُسے اُتنی زیادہ خیر ملے گی۔ وہ لوگ خوش قسمت ہیں جو پہلے غلط کام کرتے تھے، گناہ کرتے تھے، اب اللہ نے توبہ کی توفیق دی، اب اللہ استقامت دے۔ تو وہ سب سے زیادہ خوش قسمت ہیں۔

اس سے ایک بات اور پتہ چلتی ہے کہ یوسفؑ کے باپ دادا میں سے جو لوگ تھے وہ اللہ کو نہیں مانتے تھے۔ حضرت یوسفؑ کی پوری جوانی مصر میں گزری لیکن ماحول کا اثر نہیں ہوا۔ مصری پیگن (کافر) تھے۔ یوسفؑ اُس گھر میں غلام تھے لیکن آپ نے اُن کے طور طریقے، رسم ورواج نہیں اپنائے۔ آپ پیچھے دیکھ چکے ہیں کہ ماڈرن ماحول کی چھاپ یوسفؑ پہ نہیں پڑی۔ آج کے دَور میں ہم کیا کہتے ہیں کہ

یہاں تو سب کرتے ہیں، یہاں تو سب جائز ہے۔ یوسفؑ کا پہلا درجہ کیا تھا کہ غلط چیزیں چھوڑیں۔ اب اگلا درجہ دیکھیں۔

وَاتَّبَعۡتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیۡۤ اِبۡرٰهِيۡمَ وَاِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ‌ؕ مَا كَانَ لَنَاۤ اَنۡ نُّشۡرِكَ بِاللّٰهِ مِنۡ شَىۡءٍ‌ؕ ذٰلِكَ مِنۡ فَضۡلِ اللّٰهِ عَلَيۡنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَشۡكُرُوۡنَ ﴿۳۸﴾

اپنے بزرگوں، ابراہیمؑ، اسحاقؑ اور یعقوبؑ کا طریقہ اختیار کیا ہے ہمارا یہ کام نہیں ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھیرائیں در حقیقت یہ اللہ کا فضل ہے ہم پر اور تمام انسانوں پر (کہ اس نے اپنے سوا کسی کا بندہ ہمیں نہیں بنایا) مگر اکثر لوگ شکر نہیں کرتے ۔

حضرت ابراہیمؑ، اسحاقؑ اور یعقوبؑ یہ سب ملک شام میں تھے۔ آپ یوں سمجھ لیں کہ آپ لندن میں ہیں۔ لیکن اپنا کلچر ایشئن اپناتے ہیں۔ تو یوسفؑ کہہ رہے ہیں کہ میں مصر آ تو گیا تھا لیکن میں نے اپنے باپ دادا کے طور طریقے نہیں چھوڑے۔ یہ غیر مسلم ملکوں میں رہنے کا اصول ہے۔ آپ دنیا کے جتنے بڑے ملحد یا غیر مسلم ملک میں رہیں، آپکا کچھ نہیں بگڑے گا اگر آپ اس پہ عمل کرتے ہیں؛ کہ وَاتَّبَعۡتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیۡۤ اِبۡرٰهِيۡمَ وَاِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ‌ؕ۔ جہاں بھی رہیں اللہ کے بندے بن کے رہیں، بچ جائیں گے۔ انشاءاللہ۔ اور اگر آپ مکہ میں رہیں اور ابو جہل اور فرعونی کلچر میں رہیں تو پکڑے وہاں بھی جائیں گے۔ تو یہ بات سمجھا دی گئی کہ انسان اپنا رنگ ڈھنگ نہ چھوڑے۔ یہاں سے یہ بات بھی پتہ چلتی ہے کہ آبا پرستی بُری چیز نہیں ہے، اگر باپ دادا کے طور طریقے اچھے ہوں تو اُنہیں اپنانا چاہیئے۔ یہاں یوسفؑ کی تبلیغ کا انداز نوٹ کریں کہ دو پردہ لَّا يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَهُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ كٰفِرُوۡنَ میں کس چیز کا ذکر کر دیا؟ عقیدہ توحید اور عقیدہ بلآخرہ کا۔ وَاتَّبَعۡتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیۡۤ اِبۡرٰهِيۡمَ وَاِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ

میں ایمان بالرسالہ کا۔ وہ تین بنیادی سبق جن پہ شروع میں دعوت دینی چاہیئے، یوسفؑ نے تین لائنوں میں بتادی۔ اور اِن ڈائریکٹ بات کی ہے۔ سیدھا یہ نہیں کہہ دیا کہ تم تو کافر ہو، مشرک ہو۔ بلکہ خاموشی سے انبیاء کا تعارف کروادیا۔

تین لائنوں میں تین چیزیں سکھادیں۔ اگر اسلام کی یہ تین چیزیں پوری ہو جائیں تو اعمال میں جتنی مرضی کمی ہو جائے لیکن ایک وقت آئے گا کہ انسان جہنم سے نکال کے جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ ساتھ ہی عقل کو جھنجھوڑنے کی دلیل دیتے ہیں۔ مَا كَانَ لَنَآ اَنۡ نُّشۡرِكَ بِاللّٰهِ مِنۡ شَىۡءٍ‌ؕ۔ یہاں سے شرک کی تباہیاں سکھادیں۔ کہا کہ کیا ہمیں اچھا لگتا ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کو پوجیں۔ اور مَا کہہ کے مَن کی بجائے زندہ مردہ تمام معبودوں کا خاتمہ کر دیا۔ مَا غیر عاقل کو کہتے ہیں، جیسے پتھر کے بُت اور مَن عاقل کو کہتے ہیں۔ جیسے لوگ انسانوں کو پوجتے تھے۔ یہ بتاکے کہہ دیا کہ شرک کی دنیا میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ آیت کے آخری حصے میں دین کو اللہ کا فضل قرار دیا۔ یعنی اگر مجھے حق و باطل کا فرق سمجھ آرہا ہے، میری سوچ اچھی ہے تو یہ مجھ پہ اللہ کا فضل ہے۔ اور ساتھ ہی شکر سکھا دیا۔

مَا كَانَ لَنَآ اَنۡ نُّشۡرِكَ‌ؕ میں نُّشۡرِكَ کا روٹ ورڈ ش، ر، ک اور لَا يَشۡكُرُوۡنَ کا روٹ ورڈ ش، ک، ر۔ شرک، شُکر کی بدلی ہوئی شکل ہے۔ جو اللہ کا شکر گزار نہیں ہو گا وہ کسی نہ کسی شرک میں ضرور ملوث ہو گا۔ اور مشرک دنیا کو سب سے بڑا ناشکرا شخص ہوتا ہے۔

نتیجہ کیا ہوا کہ شرک کی کمی کو اللہ سے دُوری کا ذریعہ بنا دیا۔ یوسفؑ نے کہا کہ میں اور میرے باپ دادا شرک سے بچے ہیں تو یہ اللہ کا فضل ہے۔ دعویٰ پیکج میں شکر بھی سکھا دیا۔ اور اچھی تبلیغ یہی ہے کہ لوگوں کو اللہ کی نعمتیں دکھائی جائیں۔ یہاں تک حضرت یوسفؑ کی قولی تبلیغ پوری ہو گئی۔

یوسفؑ کو یہ ساری تبلیغ کرنے میں کتنا وقت لگا ہو۔ زیادہ سے زیادہ تین سے چار منٹ اور اگر ہم کسی کو کچھ بتانے لگیں تو کتنا وقت لیتے ہیں۔ ہر بندے کا کیلیبر مختلف ہوتا ہے۔ جیسے بچے کا چند اونس دودھ پی کے پیٹ بھر جاتا ہے اور آپ دو گلاس بھی پی لیں تو شائد پیٹ نہ بھرے۔ جو لوگ ابھی دین کی طرف نہیں آئے ہوتے اُنکی قابلیت و صلاحیت دودھ پیتے بچے جتنی ہے۔ یوسفؑ کو پتہ تھا کہ یہ نئے مسلمان ہیں۔ یہ میرے پاس دین سیکھنے نہیں آئے، یہ تو انکی مجبوری انہیں میرے پاس لے آئی۔ تو یوسفؑ نے موقع ضائع نہیں کیا لیکن چند جملوں میں اللہ کا پیغام پہنچا دیا۔

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾

اے زنداں کے ساتھیو، تم خود ہی سوچو کہ بہت سے متفرق رب بہتر ہیں یا وہ ایک اللہ جو سب غالب ہے؟

یہاں سب سے پہلے پکارنے کا انداز دیکھیں۔ قیدی تھے، قتل کے مجرم تھے۔ لیکن یہ نہیں کہا کہ اے مجرموں، او کافرو۔ یوسفؑ کا محسن ہونا دیکھیں کہ کہہ رہے ہیں اے میرے جیل کے ساتھیو! اپنا کہا۔ پہلے لوگوں کو اپنائیت دیں۔ پھر سوالیہ انداز ہے۔ دعوت کا کام سوالیہ انداز میں کریں کہ "آپ کا کیا خیال ہے، آپ اس بارے میں کیا سوچتے ہیں"۔

اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ یہ انداز اگلے کے شعور کو بیدار کرنے کا ہے۔ یہاں پہ ایک اور چیز نوٹ کریں اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ۔ کیا بہت سارے رب بہتر ہیں یا ایک اللہ۔ یہ تو انسان کی فطرت ہے، سورۃ نحل میں غالباً ایک مثال آتی ہے کہ ایک غلام، جو بہت سارے مالکوں کا مشترکہ غلام ہو، وہ

زیادہ آسودہ حال ہوتا ہے یا وہ جو کئی لوگوں کے ہاتھوں میں ہو۔ ایک ہی گھر کی ملازمہ زیادہ خوش حال ہوتی ہے نہ کہ صُبح سے شام تک ایک گھر پھر دوسرے گھر جانے والی۔ تو یہ شعور کو بیدار کیا جارہا ہے۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے۔ ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

یہاں اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ کی بات کیوں کی؟ کیوں کہ وہ جیل میں تھے۔ اور دو میں سے ایک تو لازمی سچا تھا۔ حضرت یوسفؑ اُنکی وہ کیفیت پیش کرتے ہوئے اللہ کی وہ صفات لائے ہیں جو اُنکو اللہ کے قریب کر دے۔ کہ دیکھو لوگ یہ بات نہیں سمجھ پارہے لیکن اللہ اس بات پر قادر ہے کہ تمہاری بے گناہی کو ثابت کر دے۔

مَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءً سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم مَّا أَنزَلَ اللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَانٍ ۚ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۚ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٤٠﴾

اُس کو چھوڑ کر تم جن کی بندگی کر رہے ہو وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ بس چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباؤ اجداد نے رکھ لیے ہیں، اللہ نے ان کے لیے کوئی سند نازل نہیں کی فرماں روائی کا اقتدار اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں ہے اس کا حکم ہے کہ خود اس کے سوا تم کسی کی بندگی نہ کرو یہی ٹھیٹھ سیدھا طریق زندگی ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں ۔

پہلے اُنکو تاریخی باتیں بتائیں۔ اپنے باپ دادا کے ناطے سے کہ میں نے اُنکا دین نہیں چھوڑا۔ غلط باتیں نہیں اپنائیں۔ پھر أَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُونَ کہہ کے اُنکے شعور کو بیدار کیا۔

اب تیسرے درجے پہ تنقید کی ہے۔ تبلیغ کے راستے میں تنقید کا درجہ سب سے آخر میں آتا ہے، جو ہم سب سے پہلے لے آتے ہیں۔ لوگوں کو آپ اچھی بات بتائیں لوگ بُرا نہیں مناتے، لیکن جب آپ ایک نفی کی بات بتائیں تو لوگ چڑنے لگیں گے۔ آپ کہتے ہیں نماز پڑھو، کوئی بُرا نہیں مانے گا لیکن اگر آپ کہیں کہ تنگ کپڑے نہ پہنو تو یہ بُرا لگے گا۔ تبلیغ میں سب سے پہلے لوگوں کو یہ بتائیں کہ کرنا کیا ہے۔ ابھی جو کچھ وہ کر رہے ہیں اسکو نہ چھیڑیں۔ یوسفؑ کے اپنے کلام کے آخری حصے میں ڈائریکٹ تنقید کی۔ کہا کہ یہ جن کو تم پوجتے ہو انکی کوئی حقیقت نہیں، کوئی نام نہیں۔ تم قبروں پہ جاکے مانگو، ان کو پوجو، غریب نواز کہو، کرنی والا، خواجہ دستگیر یہ سب سَمَّيْتُمُوْهَآ ہے۔ تم نے اپنی مرضی سے نام رکھے ہوئے ہیں۔ پھر اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ۔ یہاں سے نبیوں کی طرح وہ پیغام شروع کیا جو ہر نبی نے اپنی تبلیغ کے آغاز میں دیا۔

حضرت نوحؑ کا پیغام کیا تھا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اسکا تقویٰ اختیار کرو۔ اب چوتھے مرحلے پہ لوگوں کو بتا رہے ہیں کہ آگے کیا کرنا ہے۔ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ یہاں سے تبلیغ کا ایک مکمل پیکج ملتا ہے۔ جب لوگوں پہ تنقید کریں تو پھر اس کے بعد یہ بھی تو بتائیں کہ آگے کیا کرنا ہے۔ یہاں اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ سے کیا سمجھ آرہا ہے کہ لوگوں کہ اکثریت علم نہیں رکھتی۔ قرآن کہتا ہے کہ اکثر لوگ دین کے معاملے میں صحیح نہیں ہوتے تو آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ اکثریت ٹھیک ہوتی ہے۔ یوسفؑ کی تبلیغ کا تھوڑا سا انداز دیکھتے ہیں۔ ہم سب چاہتے ہیں کہ ہمارے گھروں میں، خاندان میں، دوستوں میں دین آئے۔ تو پوائنٹس میں تبلیغ کا طریقہ دیکھتے ہیں۔

میں تبلیغ کیسے کروں؟

1۔ توسب سے پہلے اس چاہت کو قائم رکھیں۔ اپنے اندر تڑپ پیدا کریں، اُن کے لیئے دعائیں کریں۔

2۔ خود نیکی پر قائم رہیں۔

3۔ گناہوں سے بچنا شروع کریں۔ پہلے اپنی اصلاح کریں۔

نماز پڑھیں، روزے رکھیں۔ نیکیاں شروع کریں۔ توحید سے شروع کریں۔ پھر معاملات کو بہتر کریں۔ پھر گناہوں سے بچیں۔ جب یہ دونوں کام کر لیں گے تو اللہ کا ایک وعدہ آپ کے حق میں پورا ہو گا اور وہ یہ کہ اللہ آپکی نیکیوں کو مشہور کر دے گا۔ نیک انسان کے ساتھ اللہ جو دلوں میں محبت ڈالتا ہے وہ آپکے ساتھ شروع ہو جائے گی۔ آپ زبان سے کچھ نہ بولیں لیکن آپکے گھر والے، بچے، شوہر سب اس بات کو ماننے لگ جائیں گے کہ آپ صحیح راستے پہ ہیں۔ سب سے پہلے مائل کریں پھر قائل کریں۔ ہم جاتے ہی قائل کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ بڑی بڑی آیتیں، حدیثیں پیش کرنے لگ جاتے ہیں۔ لوگ انسان ہیں، پتھر نہیں ہیں۔ اُنہیں بھی ہماری باتیں بُری لگ سکتی ہیں۔ لیکن محسن لوگوں کی باتوں کی پرواہ نہیں کرتے۔ پہلے اپنے ارد گرد کا ماحول نرم کریں اور وہ اخلاق سے ہو گا۔

اگر ہم اپنے اندر دو چیزیں پیدا کر لیں تو گھر والے، خاندان والے ہمیں دعائیں دیں گے۔ ایک نرمی اور ایک لوگوں سے محبت کرنا۔ دونوں بڑی فرق چیزیں ہیں۔ بعض دفعہ ہمارے اندر نرمی ہوتی ہے لیکن محبت نہیں ہوتی تو وہ نرمی بھی کوئی فائدہ نہیں دیتی۔ اور بعض دفعہ محبت اتنی ہوتی ہے لیکن نرمی نہیں ہوتی اور اس وجہ سے ہم اپنوں کو ہی دشمن بنا لیتے ہیں۔ بظاہر ہم اپنے بچوں کے گھر والوں کے خیر خواہ ہوتے ہیں لیکن ہم اُن کو زہر لگ رہے ہوتے ہیں۔ تو اسکی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوتی ہے۔

یوسفؑ کے طریقہ تبلیغ میں ہمیں جو چیز نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ نبیوں کے ساتھ کچھ نہ کچھ دین کی بات چل رہی ہوتی ہے۔یوسفؑ بچپن سے لے کر جیل تک کے سفر میں ڈائریکٹ تبلیغ کا انداز نہیں اپنایا، لیکن اپنے اخلاق اور کردار سے اس طرح کے کام کرتے رہے کہ جب انکو موقع ملا تو انکی بات میں بہت زیادہ اثر ہوا۔

پھر دوسری بات دیکھیں کہ صرف دو قیدی ان کے سامنے ہیں۔تو یہ پتہ چلا کہ اگر دو لوگ آپ کی بات غور سے سُن لیں تو بہت ہے۔ہم کہتے ہیں کہ مجمع اکھٹے ہوں، ہم دین میں بھی گنتی کا شکار ہو گئے۔ یہ بھی عمل کی بات ہے کہ دین کا کام کرنا ہے تو ایک انسان بھی مل گیا تو کام شروع کر دیں۔تو اللہ مدد کرے گا۔پھر حالات کے مطابق کام کیا۔جب اُنکو یوسفؑ کی ضرورت پڑی تو تو اُنہوں نے بات کی۔ ورنہ یوسفؑ کب سے اُنکے ساتھ رہ رہے تھے۔پہلے سے خود اُن سے بات کی۔تو حالات کو سامنے رکھنا چاہیئے۔یہ نہ ہو کہ ماؤں کے بچے رو رہے ہوں اور آپ مائیک ہی نہیں چھوڑ رہے۔کسی نے بات سُنائی کہ ہم چند نوجوان بڑی کوشش کر کے مسجد نماز پڑھنے کے لیے چلے گئے۔جیسے ہی نماز ختم ہوئی ایک باریش محترم اُٹھے اور حاضرین سے کہا کہ میں آپ کے دو منٹ لے سکتا ہوں۔ایک چھوٹا سے اسلام کا پیغام آپ تک پہنچانا ہے۔دو منٹ کا کہہ کے اُن صاحب نے دو گھنٹے لگا دیئے۔اُس دن کے بعد سے ہم نے سوچ لیا کہ ہم نماز گھر میں ہی پڑھیں گے۔

یوسفؑ نے کب بات کی جب وہ خود بات سُننے کو تیار تھے۔اگر یوسفؑ جیل میں تبلیغ کا کام کر سکتے ہیں تو ایک لڑکی سسرال یا میکے میں کیوں نہیں کر سکتی۔ہم میں بات کرنے کی جرأت اس لیے نہیں ہوتی کہ ابھی ہم نے اُنکی خدمت کر کے اُنکے دلوں میں جگہ نہیں بنائی ہوتی۔

ابھی خود کو سکھایا نہیں ہوتا جو لوگ ہماری بات سُنیں۔ آپ اپنا ٹارگٹ بنائیں۔ کسی ایک کو چن لیں۔ سب سے پہلے اُسکے لیے دعا کریں۔ پھر دو نفل پڑھ لیں کہ اللہ تعالیٰ آج سے میرا گول ہے کہ فلاں سے میں نے دین کی بات کرنی ہے تو آپ مجھے توفیق دیں کہ میں اچھے طریقے سے اُس سے بات کر سکوں۔

پھر دوسرے درجے پہ آپ اُنکی تعریف کرنی شروع کریں۔ اُنکی خدمت کریں۔ تحفہ دیں۔ اگلے کو اس طریقے سے قائل کریں آپ کے اخلاق سے متاثر ہوں۔ ہمارے ہاں ایک رواج بن گیا ہے کہ لڑکی سسرال کی خدمت کرے۔ لڑکا تو صرف رعب ڈالنے کے لیے ہے۔ ایسا نہیں ہے۔ محسن بنیں۔ بزرگوں سے بات کریں۔ اُنہیں بوجھ نہ سمجھیں۔ اُنکو وقت دیں۔ پھر اُن سے پوچھیں اماں جی آپ کیا پڑھتی ہیں، درُودِ تنجینہ۔ اچھا میں کل آپ کے لیے ایک اور کتاب لاؤں گی۔ پھر اُنکو مسنون کتاب دیں۔ وہ کہیں گی، اچھا بیٹی مجھے پہلے نہیں پتہ تھا۔ اب میں یہی پڑھوں گی۔

بات کرنے کا انداز سیکھیں۔ آج ہم مسلمان دین کا کچھ کام کر بھی رہے ہیں تو صحیح طریقے سے نہیں کر رہے۔ اور دوسروں کو الزام دیتے ہیں کہ لوگوں کو شوق نہیں، دُنیا سے محبت ہے، یہ ہے اور وہ ہے۔ پہلے میں اپنے حصے کا کام تو کر لوں۔ مجھے جو بات سمجھ آئی ہے وہ یہ کہ ہم گھر والوں کو تقریروں سے خوش نہیں کر سکتے۔ گھر والوں کو آپ عملی مثالوں سے خوش کر سکتے ہیں۔ آپ ایک بیج ڈالیں، پھر اُسے پانی دیں اور انتظار کریں۔ ہم صبر کرتے ہیں پھر آخر میں ایک ایسی کڑوی بات کر دیتے ہیں کہ سارے صبر پہ پانی پھر جاتا ہے۔ آپ بس بیج ڈال دیں پھر اُس پہ چھوڑ دیں کہ اب اپنی عقل استعمال کرو۔

اگر آپ بیج ڈال کے اُسے توڑتے پھوڑتے رہیں کہ دیکھوں کچھ نکلا کہ نہیں تو کچھ نہیں ملے گا۔ انتظار کرنا پڑتا ہے۔

پھر آپ دیکھیں کہ یوسفؑ نے اپنی ذات کو بالکل نمایاں نہیں کیا۔ جو انسان اپنی ذات کو نمایاں کرتا ہے تو اسکی بات سے اثر چلا جاتا ہے۔ دین کی بات کرتے ہوئے ذات کو پیچھے کر کے صرف پیغام پہنچا دیں۔ حضرت یوسفؑ نے اپنے خاندان کی مثالیں دیں۔ لیکن انکا مقصد اپنے خاندان کو نمایاں کرنا نہیں تھا بلکہ اُنکا حق پہ ہونا بتانا مقصود تھا۔ پھر نبیوں نے اپنی قوم کو یا قومی کہا لیکن انہوں نے یا صاحبی کہا۔ کیوں کہ غیر علاقے میں تبلیغ کر رہے تھے۔ مصر انکا اپنا ملک نہیں تھا۔